انڈر گراؤنڈ ریلوے اسٹیشن پر وہ لیسسٹر جانے والی ٹرین کے انتظار میں ایک بینچ پر بیٹھی نہایت اکتائے انداز میں، اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ دفعتاً اس کی نظر برسوں پرانے ایک شناسا چہرے پر پڑی اور وہ اپنے سینے پر بندھے بازو کھولتی سیدھی ہو بیٹھی۔

پلیٹ فارم پر گنجی چندیا والے ایک بوڑھے مرد کے پیچھے بلا کی متانت اور انتہائی سبک خرامی سے چلتی ہوئی وہ عورت بلاشبہ سطوت آرا ہی تھی۔ لمبا فرکوٹ پہنے، سر پر اسکارف لپیٹے نہایت محتاط اور تابع انداز میں وہ اس شخص کے پیچھے کچھ اس طرح چلتی آرہی تھی جیسے پاکستان میں گاؤں، دیہاتوں اور شہروں میں نچلے طبقات کی عورتیں سادہ لوحی سے اپنے گھر کے مردوں کے پیچھے چلا کرتی ہیں۔

برسوں کے سفر نے سطوت آرا کی ماہتابی رنگت اور جسمانی نزاکت کو بہت متاثر نہیں کیا تھا۔ وہ آج بھی چھریرے بدن کی حامل تھی بلکہ اس کی رنگت پہلے سے زیادہ اجلی ہوگئی تھی، مگر اس کے چہرے کی جلد ڈھلک رہی تھی اور اس کی پوری شخصیت ایک گہرے اور مہیب سناٹے میں ڈوبی محسوس ہوتی تھی۔

سطوت آرا سے فائقہ حسین کا پہلا تعارف سطوت کی بلند آہنگ ہنسی سے ہوا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر بڑی حیران ہوئی تھی کہ ہنستے ہوئے سطوت آرا کا پورا وجود ہی مرتعش تھا۔ بعد میں وہ سمجھ پائی کہ یہ سطوت کی کوئی شعوری کوشش نہ تھی۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو ہنستے ہیں تو ان کا پورا وجود ہی کھلکھلانے لگتا ہے۔

یہ ان دنوں کی بات تھی جب فائقہ نے یونیورسٹی سے معاشیات میں ماسٹرز کے بعد ایک مشہور و معروف بینک کی ایسی برانچ میں نوکری شروع کی تھی جو خالصتاً خواتین کے لئے وقف تھی۔ جہاں بینکار بھی خواتین تھیں، کھاتے دار بھی خواتین۔

مسز رضوان خان اس برانچ کی منیجر تھیں۔ ان کے ماتحت عملہ میں مسز ہاشمی باعتبار عمر اور طوالتِ ملازمت سینئر ترین تھیں۔ روبینہ حسین خواتین کھاتہ داروں کو ہر ممکن معلومات اور سہولت بہم پہنچانے پر مامور کلائنٹ سروس منیجر تھیں۔ سطوت آرا پرائز بانڈز کی خرید و فروخت اور یوٹیلٹی بلز کی وصولی کی ذمہ دار تھی اور فائقہ حسین بحیثیت جونیئر آفیسر نئی نئی بینک کے عملے میں شامل ہوئی تھی۔ عملے میں اور بھی کئی خواتین تھیں جو مختلف عہدوں پر فائز اپنے اپنے فرائض جانفشانی سے سرانجام دے رہی تھیں۔

ان دنوں بے حجابی کا رواج ایک مخصوص طبقے تک محدود تھا۔ فیشن گلی کوچوں میں نہ رُلتا پھرتا تھا۔ موبائل ہر وقت اور ہر کان سے لگا نہ دکھائی دیتا۔ انٹرنیٹ اور اسکائپ خواب و خیال کی باتیں تھیں۔ دفتروں میں آنے والے، دفتروں میں کام کرنے والے مرد و خواتین کو موبائل کانوں سے لگائے ذاتی گپ شپ کرتے دیکھ کر خون کے گھونٹ پینے پر مجبور نہ تھے۔ یہ زیادہ نہیں کوئی پچیس تیس سال پرانی بات تھی۔ سطوت آرا ان دنوں حد سے حد بائیس کی رہی ہوگی۔

دوسرے بہت سے اداروں کی طرح ان دنوں بینک کی اس خواتین برانچ میں بھی جہاں سطوت آرا اور فائقہ حسین ملازمت کرتی تھیں عملہ وافر نہ تھا لہٰذا کام کے اوقات میں ہر ایک کو اپنی اپنی پڑی رہتی۔ بس دوپہر کو کھانے کے وقفے کے دوران ساتھیوں میں جو گپ شپ ہو جاتی سو ہو جاتی۔ اسی وقفے میں نماز کی پابند خواتین نماز بھی ادا کرتیں۔ کھانا سب اکٹھے بیٹھ کر کھاتیں۔ ان دنوں ملازمت کرنے والی عورتوں اور مردوں کی زبانوں کو آج کے برعکس بازار کا چٹخارہ بھی کم کم تھا۔ فائقہ حسین کی ساتھی خواتین بھی اپنے اپنے گھروں سے کھانا لے آتیں۔

کھانے کے وقفہ کے دوران بینک کی ایک پرانی میز پر جو بطور ڈائننگ ٹیبل استعمال کی جاتی تھی، اشتہا انگیز ورائٹی ہوتی۔ بگھارے بینگن، باسمتی ٹوٹے کا خشکا، آلو بھرے پراٹھے، انڈوں کا خاگینہ، دھلی ماش کی بگھاری دال، ہرے مونگ کی کھچڑی، پودینے کی چٹنی، نہاری، سویوں کا میٹھا، گجریلا، گھر کی کسی تقریب میں بچی دیگی بریانی اور سوندھی سوندھی آب خوریوں میں جمی کھیر۔ آم کے اچار کا ایک مرتبان مستقل طور پر بینک کی پینٹری میں رکھا رہتا اور کھانے کو ذرا تکلف کا تڑکا لگانے کے لئے روزانہ بازار سے دہی ضرور منگوا لیا جاتا۔

وہ موسم گرما کی ایک چمکیلی صبح تھی۔ نو بجنے میں کچھ دیر باقی تھی اور بینک کھلنے سے قبل عملے کی خواتین اپنی اپنی جگہ سنبھالنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ جب مسز ہاشمی نے جو حسب عادت کیش کاؤنٹر کے نزدیک اخبار کھولے کھڑی تھیں۔ اخبار سے نظریں ہٹا کر ساتھی خواتین پر ایک طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ ”آج کا اخبار ضرور دیکھئے گا آپ لوگ!“

”کوئی خاص خبر ہے مسز ہاشمی۔“ آفیسر گریڈ ٹو عابدہ نعمان نے پوچھا۔

جواب دینے سے قبل مسز ہاشمی نے مسکراتے ہوئے فائقہ حسین کی طرف دیکھا اور بولیں۔ ”ہماری نئی ساتھی فائقہ حسین کا ایک مضمون چھپا ہے اخبار میں۔“

باقی ساتھی خواتین فائقہ کو دیکھنے لگیں۔

”اللہ! فائقہ آپ وہی والی فائقہ حسین تو نہیں جو افسانے بھی لکھتی ہیں ڈائجسٹوں میں؟“ سلمیٰ عارف نے بے تابی سے پوچھا۔

”جی!“ فائقہ حسین نے انکساری سے کہا۔

”او مائی گاڈ! یہ وہ فائقہ ہیں۔“ منیجر کسٹمر سروس بولیں۔

”کتنا عرصہ ہو گیا لکھتے ہوئے؟“ کیشیئر ساجدہ رؤف نے تجسس سے فائقہ سے پوچھا۔

”کالج کے زمانے سے چھوٹے موٹے آرٹیکل لکھ رہی تھی...... یونیورسٹی گئی تو ایک روزنامہ کے ہفتہ وار میگزین کے لئے فری لانسنگ کا موقع مل گیا۔ پھر ان کے خواتین کے صفحہ کے لئے بھی لکھنے لگی۔ بعد میں ڈائجسٹوں کے لئے افسانہ نگاری بھی شروع کر دی۔“

”کچھ پیسے ویسے بھی ملتے ہیں؟“ مسز ہاشمی نے پوچھا۔

”جی ہاں!“

”کتنے؟“

”ٹھیک ٹھاک!“ فائقہ نے گول مول سا جواب دیا۔

”ریئلی!“ عابدہ نعمان نے فائقہ حسین کو قدرے رشک سے دیکھا اور بولیں۔ ”مجھے بھی بچپن سے لکھنے کا شوق ہے...... میں کچھ لکھ کر دوں آپ کو تو آپ چھپوا دیں گی؟“

”قابل اشاعت ہوا تو آپ ہی چھپ جائے گا۔“ فائقہ نے کہا۔

اور بینک کا دروازہ کھل گیا۔ دیوار گیر گھڑی کی سوئیاں نو بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔

دوپہر کو کھانے کے وقفہ کے دوران فائقہ حسین باقی ساتھی خواتین کی توجہ، اشتیاق اور استفسارات کا مرکز و محور بنی رہی۔ اس روز پہلی مرتبہ فائقہ حسین کو قلم کی طاقت کا اندازہ ہوا۔

مسز ہاشمی نے اس کے مضمون کی منتخب سطور بآواز بلند پڑھ کر ساتھیوں کو سنائیں۔ وہ ایک فکاہیہ مضمون تھا۔ فائقہ کی تخلیقی صلاحیت کو حاضرین نے خاصا سراہا۔ پھر اخبار ایک سے دوسرے ہاتھ منتقل ہونے لگا۔ ساتھ ہی فائقہ کا انٹرویو بھی شروع کر دیا گیا۔

”مس فائقہ! لکھنے کے لئے موضوعات اور خیالات کیسے آتے ہیں ذہن میں آپ کے؟“ عاتکہ بشیر نے سوال کیا۔

”عام طور پر دورانِ سفر یا پھر رات کو بستر پر لیٹے ہوئے سوچتی ہوں کہ فلاں موضوعات پر کوئی آرٹیکل یا فلاں تھیم پر افسانہ لکھنا ہے۔ بس پھر ذہن میں خاکہ بناتی ہوں اور لکھنے بیٹھ جاتی ہوں۔“

”لکھنے کے لئے وقت کیسے مل جاتا ہے؟ اب تو جاب ہے۔“ ساجدہ رؤف نے پوچھا۔

اس سے پہلے کہ فائقہ ان کے سوال کا جواب دیتی مسز نجمہ ہلالی نے کہا۔ ”یہ سوال قبل از وقت ہے...... ابھی تو وقت مل جاتا ہوگا انہیں...... جب ہماری طرح دو جمع دو چار والا معاملہ ہوگا پھر پوچھیے گا ان سے۔“

”بالکل...... بالکل......“ شادی شدہ خواتین نے باجماعت پر زور تائید کی۔

”مسز ہلالی! میرا خیال ہے شوق اپنی تکمیل کے لئے خود وقت نکلوا لیتا ہے۔“ فائقہ نے کہا۔ ”جذبہ ہونا چاہئے...... بے شمار خواتین شادی شدہ ہوتے ہوئے بھی تخلیقی کاموں کے لئے اچھا خاصا وقت نکال لیتی ہیں۔“

”وقت آنے دیں مس فائقہ...... پوچھیں گے آپ سے!“

اخبار ایک ہاتھ سے دوسرے کو منتقل ہوتا ماریانہ برہان کے ہاتھوں میں جا پہنچا تھا اور وہ اخبار منہ سے لگائے کہہ رہی تھیں۔ ”ارے واہ! اس اخبار میں تو قسمت کا حال بھی بتایا جاتا ہے!“

”کس کی؟“ عاتکہ بشیر نے ذومعنی لہجے میں پوچھا۔

ماریانہ برہان نے اخبار نیچے کیا اپنے پہلو میں چپک کر بیٹھی سطوت آرا کو اپنی توانا کہنی سے ٹہوکا دیتے ہوئے سطوت آرا کی جانب دیکھ کر آنکھ دبائی اور معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ عاتکہ بشیر سے بولیں۔ ”جو اپنی قسمت کا حال جاننا چاہے۔“

”ذرا دکھائیے تو۔“ عاتکہ بشیر نے اخبار ماریانہ برہان سے لینے کو ہاتھ بڑھایا۔

”دیکھ کر کیا کریں گی مس عاتکہ۔“ ماریانہ برہان نے معنی خیز مسکراہٹ سے سطوت آرا کو دیکھا اور دوبارہ آنکھ دباتے ہوئے عاتکہ بشیر سے بولیں۔ ”ایک کاغذ پر اپنا نام لکھیں۔ والدہ کا نام اور اپنی تاریخ پیدائش لکھیں۔ پھر اپنی قسمت کے بارے میں جو سوال کرنا چاہتی ہیں وہ خوش خط لکھیں۔ تہہ کر کے لفافے میں ڈالیں، اسے بند کریں اور اس پر اخبار کے ایڈیٹر کی معرفت بخدمت جناب قسمت شناس کو پوسٹ کر دیں۔ اخبار کے ذریعے آپ کو آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا، زیادہ سے زیادہ کیا...... ! یہی پوچھنا چاہیں گی نا آپ کہ شادی کب ہوگی؟ کس سے ہوگی؟“

”جی نہیں!“ عاتکہ بشیر برا مان گئیں۔ ”مس برہان! اور بھی غم ہیں زمانے میں شادی کے سوا۔“

”اچھا!“ ماریانہ برہان جو ہمیشہ ڈیڑھ بالشت لمبائی کا بے آستین بلاؤز پہنا کرتی تھیں، اپنا دایاں ہاتھ بائیں عریاں شانے پر آہستگی سے پھسلا کر عاتکہ بشیر کا مذاق اڑاتے ہوئے بولیں۔

”یہ اس صدی کا سب سے بڑا انکشاف ہے۔“ سطوت آرا نے جس کی ماریانہ برہان سے گاڑھی چھنتی تھی، اپنا بایاں ہاتھ ہتھیلی کے رخ پر کھول کر ماریانہ برہان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ماریانہ نے اپنا ہاتھ سطوت آرا کی ہتھیلی پر مارتے ہوئے حلق پھاڑ کراتنی بلند آہنگی سے قہقہہ لگایا کہ ان کا حلق تک دکھائی دینے لگا۔

سطوت آرا نے ایک چیخ ماری اور ہنسنے لگی۔ عجیب ہنسی تھی! جیسے تنگ گردن والی صراحی سے غٹا غٹ باہر انڈیلے جانے والے پانی اور صراحی کے اندر جاتی ہوا کی باہم رسہ کشی ہو...... سطوت آرا کی بوٹی بوٹی ہل رہی تھی۔

☆......☆......☆

وقت کے ساتھ ساتھ فائقہ حسین پر اپنے ساتھ کام کرنے والی خواتین کا تاریخ، جغرافیہ مفصلاً کھلتا چلا گیا۔

برانچ منیجر ایک منجھے ہوئے سیاستدان کی قریبی عزیزہ تھیں۔ بینک کے ہیڈ آفس سے ویمن برانچ میں بطور منیجر ان کی تعیناتی خالصتاً سیاسی بنیاد پر ہوئی تھی۔

شاہینہ فاروقی آفیسر گریڈ ون اپنے شوہر کی دوسری بیوی تھیں۔ فاروقی صاحب نے اپنی پہلی بیوی کے ہمہ وقت سر پر رہنے والے برقع اور اول درجے کے پھوہڑ پن سے تنگ آکر اپنی ہی ہم پیشہ شاہینہ سے دوسری شادی کر لی تھی۔ پہلی اور دوسری بیوی کے درمیان پانی پت کی جنگوں کو شرما دینے والے لاتعداد معرکوں کے درمیان شاہینہ، فاروقی صاحب کے تین بچوں کی ماں بن چکی تھیں۔

مسز ہاشمی پانچ نفوس پر مشتمل اپنے کنبے کی واحد کفیل تھیں۔ شوہر نکمے تھے۔ سارا دن گھر میں پڑے پلنگ توڑتے رہتے۔

روبینہ حسین، والدین کی اکلوتی اور میاں کی سخت لاڈلی تھیں۔ اللہ نے صورت شکل بھی گت کی دی تھی۔ اپنی آہو چشمی پر انتہائی نازاں رہتیں۔ باذوق کلائنٹس ان کی آہو چشمی سے رضا کارانہ گھائل ہوتے۔

عاتکہ بشیر سات بھائی بہنوں میں سب سے بڑی تھیں۔ تین چھوٹی بہنیں بیاہی جا چکی تھیں۔ تنک مزاج تھیں۔ بھائی لوگ ان کی تنک مزاجی کے ڈانڈے ان کی بڑھتی عمر اور شادی نہ ہونے سے ملاتے تھے مگر انہیں بہت پیچھے سے جاننے والی ایک ساتھی کا فتویٰ یہ تھا کہ وہ پیدائشی تنک مزاج تھیں۔

چندر کماری، ودھوا ہونے کے بعد اپنے رشتے داروں سے الگ تھلگ ایک ہاسٹل میں مقیم تھیں اور ٹوکن دینے پر مامور تھیں۔

عابدہ نعمان...... آفیسر گریڈ ٹو نے اپنے والد کے انتقال کے بعد ماں اور تین چھوٹے بھائیوں کو سپورٹ کرنے کی خاطر شادی نہیں کی تھی اور اپنے اس فیصلہ پر آدھی عمر میں بھی بہت مطمئن تھیں...... ان کا ایک بھائی امریکا میں ڈاکٹر تھا، دوسرا شارجہ میں پیٹرولیم انجینئر، تیسرا ایک کامیاب وکیل!

ساجدہ رؤف معاشی دوڑ میں میاں کی معاونت کر رہی تھیں۔ بیٹی ایم بی اے کر رہی تھی۔ ایک بیٹا بی کام کا طالب علم تھا۔ دوسرا پری میڈیکل میں اچھے نمبر حاصل کرنے کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے تھا۔

ماریانہ برہان مطلقہ تھیں۔ اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کے ساتھ رہتیں جو کمرشل پائلٹ تھا اور ایک ایئر لائن سے وابستہ۔ ماریانہ کا ایک ہی بیٹا تھا جو اولیول کا طالب علم تھا۔ سننے میں آیا تھا کہ ماریانہ کو ان کے شوہر نے ان کی بے مہار بے باکی اور آزادیٔ طبع کے باعث طلاق دی تھی۔

ماریانہ طلاق سے قبل بھی بینکاری سے وابستہ تھیں۔ طلاق کے بعد انہوں نے اپنا تبادلہ ویمن برانچ میں کروا لیا تھا جو ان کی والدہ کے گھر سے پانچ سات منٹ کی پیدل مسافت پر تھی۔ چنانچہ پونے نو بجے کے لگ بھگ وہ تیار ہو کر گھر سے نکلتیں۔ بھائی گھر پر ہوتا تو کبھی کبھار وہ انہیں اپنی گاڑی میں بینک پہنچا جاتا ورنہ وہ خراماں خراماں چلتی راہ گیروں کو اپنے عریاں شانوں اور ادھ کھلے پیٹ کی دعوت نظارہ دیتی خود ہی بینک پہنچ جاتیں۔

سطوت آرا جواں عمر، خوش شکل اور بینک کے عملے میں سب سے زیادہ خوش لباس تھی۔ سطوت آرا کی اس سمیت آٹھ بہنیں تھیں۔ بھائی کوئی نہ تھا۔ والدین بوڑھے تھے۔ متوسط گھرانہ تھا۔ سطوت آرا کا بہنوں میں پانچواں نمبر تھا۔ آٹھ میں سے صرف تین بہنوں کی شادی ہوئی جو پہلے، دوسرے اور چوتھے نمبر پر تھیں۔ یوں اب گھر میں سطوت آرا سے بڑی ایک بہن ہنوز غیر شادی شدہ تھی۔

سطوت آرا سے چھوٹی تین بہنوں میں سے آخری دو یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھیں جبکہ سطوت آرا سے چھوٹی بہن اسکول ٹیچر تھی۔ سطوت آرا کی تین شادی شدہ بہنوں میں سے سب سے بڑی اپنی خالہ کے بیٹے سے بیاہی تھی۔ دوسری شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ لندن میں مقیم تھی۔ تیسرے نمبر کی بہن ڈاکٹر تھی اور ایک ذاتی میٹرنٹی اسپتال کی مالکہ۔

بوڑھے والدین اور بہنوں کو اس کے طفیل خاصی مالی فراغت حاصل تھی۔ والدین اور شادی شدہ بہنیں اب سطوت اور اس کی بڑی بہن کے لئے مناسب رشتہ کی تلاش میں تھے۔ سطوت کی والدہ نے گھریلو مراسم رکھنے والی اس کی دو تین کولیگز سے بھی کہہ رکھا تھا کہ ان دونوں بہنوں کے لئے کوئی اچھا رشتہ نظر میں آئے تو ضرور بتائیں۔

بس اسٹاپ سے بینک آتے جاتے عملے کی خواتین کا اکثر ایک دوسرے کا ساتھ ہو جاتا۔ سطوت آرا کو ماریانہ برہان کا ساتھ میسر آنے پر جو خوشی ہوتی وہ کسی اور کے ملنے پر نہ ہوتی۔ چھٹی کے وقت تو وہ ماریانہ برہان کے ساتھ ہی نکلتی۔ صبح گھر سے بینک آتے ہوئے بھی اس کی دلی خواہش ہوتی کہ جب وہ اپنے بس اسٹاپ پر بس سے اترنے کے بعد بینک کی طرف گامزن ہو تو ماریانہ راستے میں مل جائے۔

ماریانہ کے ساتھ باتیں کرنا، ماریانہ کی طرح ہنسنا اور اسی کی طرح سبک خرامی سے چلنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ گھر والوں سے ڈانٹ پھٹکار کا احتمال نہ ہوتا تو وہ بھی ماریانہ ہی کی طرح نیم عریاں بلاؤز اور ساڑھی پہننے لگتی۔ وہاں تو شادی سے پہلے ساڑھی پہننے کی اجازت ملنا بھی محال تھا!

بینک کی جن ساتھی خواتین کا سطوت آرا کے گھر والوں سے تعارف تھا یا کبھی کبھار ملنا جلنا ہو جاتا تھا، ان میں ایک تو مس عاتکہ بشیر تھیں، دوسری ساجدہ رؤف، مسز ہلالی اور ماریانہ برہان...... ماریانہ کو ان کے کھلے ڈلے انداز کے باعث گھر والے کچھ زیادہ پسند نہ کرتے تھے مگر سطوت آرا کی ان سے گاڑھی چھنتی تھی۔ لڑکیاں پڑھ لکھ جائیں اور ملازمت کے بعد خود کفیل بھی ہو جائیں تو ان پر قدغنیں لگانا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ سو سطوت آرا کی والدہ بھی سطوت کے سامنے ماریانہ کے بارے میں اپنی ناپسندیدگی کا اظہار قدرے محتاط ہو کر ہی کرتی تھیں۔

سطوت، ماریانہ کے گن گاتے نہ تھکتی...... ماریانہ نے یہ کہا...... ماریانہ نے وہ کہا...... آج ماریانہ نے فلاں رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی...... ماریانہ کو ان کے بھائی نے فرانس سے فلاں پرفیوم لاکر دیا۔ آج ماریانہ نے پرپل لپ اسٹک لگا رکھی تھی...... آج یہ آج وہ...... غرض بینک سے آنے کے بعد بھی سطوت کی زبان پر ماریانہ ہی کا نام چڑھا رہتا...... سطوت کی بہنیں تو پھر بھی ماریانہ کے ذکر میں تھوڑی بہت دلچسپی لے لیتیں۔ اس کے والدین بالخصوص والدہ کو قطعاً اچھا نہ لگتا۔

کبھی کبھار وہ ٹوک بھی دیتیں۔ ”سطوت! یہ کیا تم ہر وقت ماریانہ کا کلمہ پڑھتی رہتی ہو...... ہمیں بالکل اچھا نہیں لگتا۔“

سطوت کو ٹوکا جانا ناگوار گزرتا۔ کچھ وقفہ آتا۔ پھر وہی ماریانہ کے نام کی گاڑی چل پڑتی۔

ماریانہ کا بھائی سرمد برہان ڈیوٹی پر نہ ہوتا تو کبھی بہن کو اپنی گاڑی میں بینک تک پہنچانے اور کبھی چھٹی کے وقت لینے کے لئے بھی آجاتا۔ ماریانہ بھائی کی گاڑی میں بینک آرہی ہوتیں اور سطوت انہیں بس اسٹاپ سے بینک کی طرف جاتی دکھائی دیتی تو وہ گاڑی رکوا کر سطوت کو بھی گاڑی میں بٹھا لیتیں۔ اسی طرح چھٹی کے بعد بھی جب بھائی انہیں پک کرنے کے لئے آتا تو وہ سطوت کو بس اسٹاپ تک لفٹ دے دیتیں۔

ماریانہ اپنے بھائی کی گاڑی میں دو تین مرتبہ سطوت کے گھر بھی آچکی تھیں۔ سطوت کے والدین بھی اس سے ملے تھے مگر ماریانہ کی طرح اس کا بھائی بھی انہیں اچھا نہ لگا تھا۔ یہ بھی بھلا کوئی تمیز تھی کہ ایک مرتبہ وہ گھٹنوں سے اوپر نیکر اور ٹی شرٹ پہن کر ماریانہ کو ان کے ہاں لے کر آگیا تھا۔ سطوت کے ابا کو شرماحضوری اسے اندر بلانا پڑا۔

سطوت کی والدہ نے بعد میں اس پر تنقید کی تو سطوت نے بڑھ چڑھ کر دفاع کیا۔

”ماریانہ کا بھائی پائلٹ ہے امی...... ماڈرن لوگ ہیں۔ اس موسم میں ہاف پینٹ اور ٹی شرٹ پہننا ان ماڈرن لوگوں کا فیشن ہے۔“

”بھاڑ میں جائے ایسا فیشن جس میں کسی کے گھر آنے جانے کی تمیز نہ رہے انسان کو۔“ سطوت کی والدہ نے کہا۔

”مرد کو بھی حیا ضروری ہے۔“ سطوت کے والد بولے۔

سطوت کو اپنے والدین کی دقیانوسیت پر بہت غصہ آیا۔ کتنا ہینڈسم تھا ماریانہ کا بھائی اور کتنا ڈیشنگ لگ رہا تھا، وہ وائٹ ہاف پینٹ اور بلیک ٹی شرٹ میں! اور جب اس نے واپسی کے وقت گاڑی اسٹارٹ کی تو گاڑی میں لگے ٹیپ ریکارڈر پر بلند آہنگی سے بلیے ہوتا وہ انگریزی نغمہ ”آئی لو یو ڈارلنگ!“ کیسی نغمگی بکھیر رہا تھا فضا میں۔

والدین کی ناپسندیدگی اور شدید تنقید کے باوجود ماریانہ سے سطوت کی دوستی دن بہ دن بڑھتی چلی گئی۔ دونوں اکٹھے شاپنگ کرتیں۔ گھر اور بینک سے باہر اکٹھی چٹورپن کرتیں۔ اکٹھی بیوٹی پارلر جاتیں۔

سرمد فلائٹ پر نہ ہوتا تو وہ بھی ان کے ساتھ ہوتا اور کبھی کبھی ماریانہ کا بیٹا بھی جو ماں کی نسبت اپنی نانی کی صحبت میں رہنا زیادہ پسند کرتا تھا۔ سرمد اپنی گاڑی میں انگریزی موسیقی چلائے رکھتا اور تینوں کبھی یہاں کبھی وہاں گھومتے اور کھاتے پیتے پھرتے۔

سطوت آرا کے رنگ ڈھنگ بھی بدلتے جا رہے تھے اور اس تبدیلی کو اس کی بینکار ساتھی خواتین بھی بخوبی محسوس کر رہی تھیں۔

ماریانہ کا بھائی جب ڈیوٹی پر نہ ہوتا تو اب پہلے کی طرح چھٹی کے بعد وقت کے وقت ماریانہ کو پک کرنے کی بجائے چھٹی سے کافی دیر پہلے ہی بینک کے باہر اپنی گاڑی لاکر کھڑی کر دیتا اور اس کی گاڑی میں بجتی انگریزی موسیقی کی آواز ضرور تا بینک کا شیشے کا دروازہ کھلنے پر اندر بھی آنے لگتی۔ سطوت آرا اپنی سیٹ پر بیٹھی آپ ہی آپ مسکرائے جاتی۔

کبھی کبھی ماریانہ کا بھائی، بہن کو باہر اپنی موجودگی کی اطلاع دینے اندر بھی آجاتا، ایسے میں سطوت بڑی ادا سے اپنے زیریں لب کا دایاں گوشہ اپنی داہنی جانب کے اوپر والے دانت تلے دبا کر مسکرانے لگتی۔

”یہ جو ماریانہ برہان کا بھائی ہے سرمد برہان، اس کی ریپوٹیشن اچھی نہیں ہے۔“ ایک روز عاتکہ بشیر نے فائقہ حسین کو جس سے اس کی کافی دوستی ہو گئی تھی، بتایا۔

”آپ کو کیسے معلوم؟“ فائقہ نے پوچھا۔

”جس ایئر لائن میں یہ پائلٹ ہے، میرا ایک کزن وہاں فلائٹ پرسر ہے...... یہ پیتا پلاتا بھی ہے اور خراب قسم کی ایئر ہوسٹسوں سے اس کے غلط قسم کے تعلقات بھی ہیں۔“ عاتکہ نے رازداری سے بتایا۔

”میں نے سنا ہے ایئر ہوسٹس کا پیشہ اچھا نہیں ہوتا۔“ فائقہ بولی۔

”نہیں نہیں ایسی بات نہیں...... اچھے برے لوگ ہر جگہ ہوتے ہیں۔ میرا کزن بتاتا ہے اس کے ساتھ ایسی ایسی لڑکیاں بھی ہیں اس پروفیشن میں جو پوری فیملی کو سپورٹ کرتی ہیں۔ نمازی اور دیندار ہیں۔ میرا کزن تو کہتا ہے ایئر ہوسٹس ایک آئیڈیل گھردار عورت ہوتی ہے۔“ عاتکہ بشیر نے فائقہ کی معلومات کی اصلاح کی۔

☆......☆......☆

ایک روز بینک کھلنے سے کچھ ہی پہلے جب باقی کی اسٹاف کی طرح فائقہ حسین بھی اپنی سیٹ پر بیٹھنے کی تیاری کر رہی تھی، سطوت آرا غیر متوقع طور پر اس کے نزدیک آ کھڑی ہوئی اور سرگوشی میں بولی۔ ”مس فائقہ مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔“

”جی...... کہیے۔“ فائقہ نے چونک کر اسے دیکھا کہ وہ ماریانہ کے علاوہ کسی اور کو کم ہی لفٹ کراتی تھی۔

”ابھی نہیں بعد میں بتاؤں گی مگر صرف آپ کے اور میرے درمیان رہے یہ بات۔“

”او کے۔“ فائقہ نے اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں اطمینان دلایا۔

سطوت آرا اپنی سیٹ کی طرف چلی گئی۔ کام اس نے بعد میں نہایت رازداری سے بتایا، جس اخبار کے لئے فائقہ فری لانسنگ کرتی تھی، اس کے قسمت کا حال بتانے والے نجومی سے یہ پوچھنا تھا کہ سطوت آرا کی شادی کب ہوگی؟ اور اس کے ہونے والے شوہر کا نام کیا ہوگا؟ سطوت نے ایک چٹ جس پر اس کا اپنا پورا نام، تاریخ پیدائش اور والدہ کا نام درج تھا، چپکے سے فائقہ کو تھما دی۔

☆......☆......☆

فائقہ حسین کا اخبار کے لئے طریق کار یہ تھا کہ آرٹیکل لکھتی اور عموماً بینک سے واپسی پر اخبار کے دفتر متعلقہ سب ایڈیٹر کو پہنچاتی ہوئی جاتی۔ انہی سے قسمت کا حال بتانے والے صاحب کی ”ویرا باؤٹس“ معلوم کرنا چاہیں تو وہ ہنس کر بولے۔ ”کیا حال پوچھنا چاہتی ہیں اپنی قسمت کا مس؟“

فائقہ خفیف ہو گئی۔ ”اپنا نہیں...... میری ایک دوست پوچھنا چاہتی ہیں۔“

”سنا ہے کوئی ستارہ شناس ہیں جن کی خدمات حاصل کی ہوئی ہیں، ہمارے روزنامہ نے...... خطوں کی بوریاں بھر بھر کر بھجوائی جاتی ہیں ان کے گھر۔“ سب ایڈیٹر صاحب بولے۔

”بتاتے تو صحیح ہوں گے۔“ فائقہ نے کہا۔

”اپنے اپنے یقین کی بات ہے مس...... کم از کم میں تو یقین نہیں رکھتا، میرا یقین تو اپنے اللہ پر ہے...... غیب کا حال کوئی نہیں جانتا سوائے اس کے۔“

سب ایڈیٹر صاحب کی بات فائقہ کے دل کو لگی۔

ایک دو دن سطوت آرا نے فائقہ کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ پھر اضطراب سے پوچھا۔ ”آپ نے معلوم کیا مس فائقہ؟“

”جی، میں نے سوال بھجوا دیا ہے۔“ فائقہ نے غلط بیانی کی۔

”سوال نہیں سوالات...... دو سوالات تھے۔“ سطوت آرا کے لہجے میں بے تابی تھی۔

”جی...... جی...... دونوں سوالات۔“ فائقہ نے اطمینان دلایا۔

دو دن اور گزر گئے۔

تیسرے دن سطوت آرا کے انتظار کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ ”مس فائقہ کب آئے گا جواب؟“

”کل جاؤں گی تو پوچھوں گی۔“ فائقہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

”کہیں انہوں نے اخبار کے ذریعے جواب نہ دے دیا ہو۔“ سطوت آرا نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

”نہیں نہیں...... میں نے کہہ دیا تھا مجھے اخبار کے ذریعے نہیں ڈائریکٹ جواب چاہئے۔“ فائقہ حسین نے انتہائی دھڑلے سے جھوٹ بولا۔

”او کے!“ سطوت آرا کو اطمینان ہوا۔

سطوت آرا کی بے تابی کو تاب دینے کی خاطر فائقہ حسین کو بالآخر اس سلسلے میں آخری جھوٹ بولنا ہی پڑا۔ ”شادی جلد ہوگی مس سطوت اور آپ کے ہونے والے شوہر کے نام کا پہلا حصہ ایس سے اور دوسرا حصہ بی سے شروع ہوگا۔“

”سچ!“ سطوت آرا خوشی کے مارے اتنی زور سے چلائی کہ باقی خواتین چونک کر ان دونوں کو دیکھنے لگیں۔ وفور مسرت میں سطوت آرا، فائقہ حسین سے بغلگیر ہو گئی تھی۔

”ارے بھئی ایسی کیا خوشی کی خبر سنا دی مس فائقہ نے!“ مسز ہاشمی بولیں۔

”وہ...... ہم دونوں...... میرا مطلب ہے...... میں اور مس فائقہ ایک دوسرے کی رشتے دار نکل آئی ہیں۔“ سطوت آرا نے جلدی سے بات بنائی۔

”وہ کیسے!“ شاہینہ نے پوچھا۔

”وہ ایسے کہ...... فائقہ کے ماموں کی بیٹی کی نند کی دیورانی میری امی کی چچی کے بھائی کی پوتی ہوتی ہیں۔“ سطوت آرا نے کمال کا جھوٹ بولا۔

”بہت خوب! بہت خوب!“ مسز ہاشمی بولیں۔ ”بہت قریب کا رشتہ نکل آیا ہے آپ دونوں میں تو۔“

سطوت آرا خفیف ہو گئی اور بات آئی گئی۔

سب کچھ بہت دن اسی طرح چلتا رہا۔ پھر اچانک فائقہ بینک کے لمبے اور تھکا دینے والے اوقات کار سے تنگ آکر بینک کی ملازمت سے استعفیٰ دینے کے بعد ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی سے بطور کاپی رائٹر وابستہ ہو گئی۔ بینک اور بینک کی ساتھی خواتین کتاب زندگی کا گم گشتہ باب بن گئے۔

☆......☆......☆

فائقہ حسین کی شادی ہو گئی۔ ایڈورٹائزنگ ایجنسی کی جاب بھی شوہر کی خواہش کے احترام میں چھوڑنی پڑی۔ شوہر وزارت امور خارجہ میں تھے۔ تین بچے ہوئے۔ بڑی بیٹی شادی کے بعد اپنے شوہر کے ساتھ اردن میں تھی۔ بڑا بیٹا جاپان میں تھا چھوٹا بیٹا ابھی ساتھ ہی تھا۔

فائقہ کے شوہر کی ان دنوں لندن میں تعیناتی تھی۔ بس وہ بھی اب سرکاری نوکری سے سبکدوشی کے نزدیک ہی تھے۔ فائقہ اس روز اپنی ایک سہیلی سے ملنے کے لئے لیسسٹر جانے والی ٹرین کے انتظار میں بیٹھی تھی جب اچانک ہی اسے سطوت آرا دکھائی دے گئی۔

وہ خوابناک سی کیفیت میں بینچ سے اٹھی تھی۔ سطوت آرا اور اس کے آگے آگے چلتا بوڑھا مرد آگے بڑھ گئے اور اسے یوں لگا جیسے کوئی خواب پلکوں تلے سرک رہا ہو، وہ لپکی۔

”ایکسکیوز می!“ اس نے سطوت آرا کے عقب سے پکارا۔ وہ ٹھٹک گئی...... پلٹی اور اسے دیکھنے لگی۔

”اگر میں پہچاننے میں غلطی نہیں کر رہی ہوں تو...... آپ سطوت آرا ہیں۔“ اس نے کہا۔

”جی...... آپ؟“

”آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔“

”سوری!“

”میں فائقہ ہوں...... فائقہ حسین...... آپ جس بینک میں جاب کرتی تھیں میں بھی وہیں ہوتی تھی...... زیادہ عرصہ نہیں رہی بینک میں، بس کوئی ڈیڑھ دو سال۔“

”آئی سی!...... ہاں ہاں مجھے یاد آ گئیں آپ...... فائقہ حسین! اخبار والی فائقہ حسین۔“

”جی...... جی!“ فائقہ کو اپنے پہچانے جانے پر مسرت ہوئی۔ ”آپ یہاں!“ ان دو لفظوں میں ان گنت سوال تھے۔

”میں...... پچھلے اٹھائیس برس سے یہیں ہوں۔“ سطوت آرا کے لہجے میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

”اچھا! تو کیا جاب چھوڑ دی تھی آپ نے؟“

”چھوڑنی پڑی...... یہاں جو آ گئی تھی۔“

سطوت آرا کے آگے آگے چلتا بوڑھا مرد جو آگے نکل گیا تھا، اب پلٹ کر پیچھے دیکھ رہا تھا اور سطوت کو فائقہ سے باتیں کرتے دیکھ کر وہیں رک گیا تھا۔

”میرے شوہر ہیں!“ سطوت آرا نے بتایا۔

”اچھا!“ فائقہ چونکی۔

”ایک بہن میری یہیں رہتی تھیں نا...... تقریباً بارہ سال بڑی تھیں مجھ سے...... دو بچے تھے ان کے...... اچانک کینسر کی تشخیص ہوئی اور وہ تین ماہ کے اندر اندر مر گئیں...... بچے بہت ڈسٹرب ہوئے...... مجھ سے بڑی ایک بہن تھیں گھر میں جن کی شادی نہیں ہوئی تھی...... میرے والدین نے بہن کے بچوں کی خاطر ان کا بہنوئی سے عقد کرنا چاہا تو انہوں نے انکار کر دیا...... ان کے بعد میرا نمبر تھا۔ ابا نے مجھ سے کہا کہ اپنے لئے تو سبھی جیتے ہیں دوسروں کے لئے جینا اصل زندگی ہے...... مجھے اپنی بہن اور ان کے بچوں سے پیار بھی بہت تھا...... ہر دوسرے سال وہ اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ پاکستان آیا کرتی تھیں...... میں انکار نہ کر سکی...... شادی کے بعد یہاں آئی اور یہیں کی ہو رہی۔“

سطوت آرا نے اس کے پوچھے بنا ہی گزرے برسوں کی داستان از خود بیان کر دی۔

فائقہ کو یوں لگا جیسے اس کا دل دھڑکنا بھول گیا ہو۔

”آپ بھی یہاں انگلینڈ میں رہتی ہیں یا......؟“ سطوت آرا نے پوچھا۔

”ہم لوگ پوسٹنگ پر ہیں...... میرے میاں فارن افیئرز میں ہوتے ہیں۔“

آئی سی...... کسی روز آؤ ہمارے گھر۔“ سطوت آرا کے لہجے میں یک لخت بے تکلفی آ گئی۔

”جی ضرور......؟“ آپ ایڈریس دیں گی تو ضرور آؤں گی۔“

”شیور۔“ سطوت آرا نے کہا۔ ”لکھنے کو قلم کاغذ تو شاید ہم دونوں ہی کے پاس نہ ہو...... موبائل میں نوٹ کر لو۔“

سطوت آرا بولنے لگیں اور فائقہ اپنے موبائل میں ان کا پتا محفوظ کرتی چلی گئی۔

سطوت کا بوڑھا خاوند دور کھڑا دیکھتا رہا۔

”بچوں کی اب اپنی اپنی دنیا ہے...... بس ہم دونوں ہی ہوتے ہیں گھر میں۔“ سطوت آرا نے بتایا۔

”آپ کا...... کوئی بچہ؟“

”وہ ہیں نا...... جن کی خاطر میں سب کو چھوڑ کر اتنی دور آ بسی۔“ سطوت آرا نے کہا پھر دھیرے سے مسکرا کر بولیں۔ ”اب تو وہ خود بھی بچوں والے ہیں۔“

”میرا مطلب تھا...... آپ کا اپنا بچہ...... یور اون چائلڈ؟“

فائقہ کو اپنے سوال پر سطوت آرا کی آنکھوں میں درد کی لہریں امڈتی محسوس ہوئیں۔ ”انہیں اور بچوں کی خواہش نہیں تھی۔“ اس نے دور کھڑے بوڑھے مرد کو ایک نظر دیکھتے ہوئے بتایا۔

”اور آپ کو؟ کیا آپ کو بھی خواہش نہیں تھی!“

سطوت آرا کے لبوں پر کرب انگیز مسکراہٹ اور آنکھوں میں آنسو درد بن کر پھیل گئے۔

”ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے۔“ سطوت آرا نے کہا اور اس کا بازو تھپتھپا کر بولی۔ ”آنا ضرور...... میں انتظار کروں گی...... پرانے لوگ ملیں اور وہ بھی پردیس میں تو عجیب سی خوشی ہوتی ہے۔“

”جی...... ضرور آؤں گی۔“ فائقہ نے کہا۔

”او کے...... چلتی ہوں...... وہ میرا انتظار کر رہے ہیں۔“ سطوت آرا نے جانے کا قصد کیا لیکن پھر رک گئی۔ ”ارے ہاں بھئی......“ اسے جیسے کوئی اہم اور ضروری بات یاد آئی۔ ”وہ تمہارا اخبار والا نجومی تو کمال کا آدمی تھا۔“

”وہ کیسے!“ فائقہ چونکی۔

”تمہیں یاد نہیں...... تمہارے ذریعے ہی تو میں نے معلوم کروایا تھا کہ میرے ہونے والے شوہر کا نام کیا ہوگا...... تمہیں یاد نہیں رہا مگر مجھے آج بھی یاد ہے...... تم نے مجھے بتایا تھا کہ نجومی نے کہا ہے میرے شوہر کے نام کا پہلا حصہ ایس سے اور دوسرا بی سے شروع ہوگا...... میرے ہسبینڈ کا نام سمیع بخاری ہے! تھا نا وہ کمال کا آدمی۔“ سطوت آرا ہنسنے لگی۔

اور فائقہ کو یوں لگا جیسے برسوں کے سفر نے سطوت آرا کی نزاکت اور ماہتابی رنگت کی طرح اس کی ہنسی کو بھی چنداں متاثر نہیں کیا تھا...... وہی لبوں سے پورے وجود میں سرایت کر کے اس کو کھلکھلاتی ہوئی ہنسی!

ایس اور بی...... سمیع بخاری اور سرمد برہان...... فائقہ کے ذہن میں ہلچل سی مچی تھی...... اعتراف خطا کا ظرف تھا نہ فائدہ۔

”آپ کی دوست ماریہ برہان کیسی ہیں؟“ فائقہ کو اپنی آواز دور...... بہت دور سے آنے لگی۔

”نہ پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی فرصت ملی نہ ہی میں نے ضرورت محسوس کی۔“ سطوت آرا نے کہا اور آخری بار اسے مسکرا کر دیکھنے کے بعد اپنے معمر شوہر کی طرف جانے کے لئے قدم اٹھاتی چلی گئی۔

(ختم شد)